مسلمانانِ پاک و ہند کے نظام تعلیم کے متعلق استعماری عہد کا رویہ

*حافظ غلام یوسف

**زاہدہ عزیز سیال

Abstract

History bares witness to the fact that whenever a nation conquers other territories, its total impact is not confined to physical means but in fact it prevails into hearts and minds of the people at large. After the war of independence of 1857, the cultural revolution that effected the overall situation of Muslims of India, particularly in the field of education and religion is the main focal point of this research.

From the very beginning the colonial powers always fashioned their schemes to safeguard there own vested interests. Their primary objective was to subjugate the opponent, therefore a three prong strategy was devised;

1. Education policy 2. Propagation of Christianity 3. Secularism

Firstly the education policy adopted by the British authorities was to malign the religious learned men in such a manner that Muslim community would infuriate towards the teachings and traditions of Islam. As a result they not only introduced English language as a source of success in acquiring higher positions in public and private sector but also infused Christianity as an alternative to religious education.

From the above observations It can be concluded that although the imperial powers in their reign politicized much and suppressed Islam in all its spheres of life particularly education. So that their policy "Divide and Rule" may be succeed.

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، چیئرمین، شعبہ فقہ، اسلامی قانون علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ایجوکیشن، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اٹھارویں صدی کا نصف آخر مغربی استعمار کی پے در پے کامیابیوں اور مسلمانان عالم کے ابتلاء کا زمانہ تھا، اور خصوصاً پاک وہند کے مسلمان شدید کشمکش سے دوچار تھے، کیونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل ان کے اقتدار کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اگرچہ وہ خستہ حال تھے لیکن بے جان نہ تھے۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں پر ضرب کاری لگائی اور انگریزوں کے قدم ہندوستان کی سرزمین پر مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اس وقت مسلمان مفکرین کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ سیاسی زوال وانحطاط کے ساتھ مسلمانوں کے دین ومذہب اور انکی زندگی کی خیر نہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کوئی قوم کسی ملک پر فاتحانہ قبضہ کرتی ہے، تو فاتح قوم کا اثر ونفوذ صرف مفتوح اقوام کے جسموں تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ان کے دلوں اور دماغوں کو بھی تسخیر کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مغلوب قوم مرورِ زمانہ کے ساتھ اپنے خصائص وروایات اور مذہبی شعائر وعلامات کو نہ صرف نظر انداز کر دیتی ہے بلکہ ان سے نفرت کرنے لگتی ہے۔

ہندوستان کے بیدار مغز مسلمانوں نے اس خطرے کا احساس کر لیا تھا کیونکہ ۱۷۱۲ء سے ۱۸۵۷ء تک کی برطانوی معاندانہ کاروائیوں کا وہ مشاہدہ ومطالعہ کر چکے تھے، اس وقت ان کے سامنے دو اہم مسئلے تھے، ایک مسئلہ مسلمانوں کے عقائد واعمال کے تحفظ کا تھا اور دوسرے مسئلے کی نوعیت سیاسی تھی جس کا مقصد ہندوستان کو انگریزوں کے اقتدار سے نجات دلانا تھا۔

فوری طور پر مسلمانوں نے مسئلہ اوّل کی طرف توجہ دی کیونکہ دوسرے مسئلے کے لئے کوشش کرنا سوائے ہلاکت وبربادی کے اور کچھ نہ تھا، لہذا انہوں نے اس وقت صرف اور صرف تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں میں سیاسی طاقت سے محرومی کے بعد تعلیم کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی جس کے ذریعے مسلمان اپنی قومیت کا تحفظ کر سکتے، مغلوب اور مفتوح ہونے کے باوجود بحیثیت ایک قوم زندہ رہ سکتے۔

مغربی استعمار نے بھی اولین مرحلے میں مسلمانوں کی فکری ونظری اساس پر حملہ کیا اور اس کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کے اندر تشکیک والحاد اور اپنے مخصوص نظریہ اباحیت وعریانیت، تجدد پسندی کے اثرات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نصوص قرآن وسنت کی من مانی تاویلیں کرنے کی سوچ کی سرپرستی کرتے ہوئے انہوں نے اپنا نظام تعلیم پروان چڑھایا۔

اس دوران فتویٰ نویسی کا عمل بھی متاثر ہوا کیونکہ ہندوستان میں جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہزاروں

کی تعداد میں علماء کو شہید یا جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ پیشِ خدمت بحث مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت اس دور کے حالات اور مسلمانوں کی جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔

انگریزوں کی آمد نے برصغیر پاک و ہند میں ثقافتی انقلاب برپا کر دیا۔ مسلمان، ان کا نظام تعلیم، ان کی اسلامی اقدار، احترام دین و تعظیم علماء اور ان کا جذبہ حبُ الوطنی ایسی خصوصیات تھیں جو مغربی افکار کے پھیلاؤ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنیں۔

چونکہ ابتداء ہی سے انگریزوں کا مقصود و مطلوب یہ تھا کہ مقبوضہ ممالک سے انگلستان کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جائے، اور قدرتی طور پر ہندوستان کا مفاد انگلستان کے مفاد کے خلاف تھا، چنانچہ برطانیہ کا مقصد صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا تھا کہ ہندوستان مجموعی طور پر کمزور ہو، اہل ہند بے کس اور بے حس مزدور کی حیثیت سے زندہ رہیں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے لامحالہ انگریزوں کو وہی صورتیں سوچنی اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہی پلاننگ کرنی تھی جو مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ دین اور احترام علماء کے خاتمے میں مدومعاون ثابت ہو اور انجام کار وہ اپنے مذہب سے متنفر ہو کر انگریزوں کے وفادار بن جائیں، بلکہ مسلمان انگریز کے وجود ہی کو اپنی عافیت وسلامتی تصور کرنے لگیں۔ چنانچہ انگریزوں نے مذکورہ ایجنڈے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سہ نکاتی پروگرام مرتب کیا(۱)۔

☆تعلیمی پالیسی ☆عیسائیت کا فروغ ☆لادینیت کا پرچار

انگریزوں کی تعلیمی پالیسی:

اس موضوع سے متعلق انگریزوں کے اقدامات کا جائزہ پیش کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاک و ہند کے مسلمانوں کے قدیم نظامِ تعلیم پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

انگریزوں کی آمد کے وقت قدیم طریقہ تعلیم کی کیفیت یہ تھی کہ والیانِ ملک اور امراء نہ صرف تعلیم کی پوری سرپرستی کرتے تھے بلکہ اس کے لئے جاگیریں اور جائیدادیں وقف کرنا اور براہ راست درسگاہوں پر روپیہ صرف کرنا اُن کے یہاں عام معمول تھا۔ حتیٰ کہ دہلی کی مرکزی حکومت ٹوٹ جانے پر بھی صرف اضلاع روہیل کھنڈ میں جو دہلی سے قریب تر تھے، پانچ ہزار (۵۰۰۰) علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے، اور یہی حالت اودھ، حیدر آباد دکن اور دوسری ریاستوں کی تھی (۲)۔ انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) مدرسے تھے

اس طرح چار سو آدمیوں کے لئے ایک مدرسہ کا اوسط ہوتا تھا (۳)۔ اور سلطان محمد تغلق کے زمانے میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے (۴) جبکہ شہر ٹھٹھہ (سندھ) میں چار سو کالج مختلف علوم وفنون کے تھے (۵)۔

سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے کہ:

''قبل اس کے کہ ملک ہمارے ہاتھوں میں آئے مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ ذہن اور فراست کے اعتبار سے ہندوستان میں بڑی قوت رکھتے تھے۔ ان کا نظام تعلیم اعلی درجے کی ذہنی تربیت دے سکتا تھا مسلمانوں کا نظامِ تعلیم ہندوستان کے تمام دیگر نظاموں سے حد درجہ فائق تھا'' (٦)۔

اس سلسلے میں ''سر تھامس رو'' کا بیان زیادہ واضح ہے۔ جس نے برطانوی قبضہ سے بیشتر ہندوستان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

'' ہندوستان کا طریقہ کاشتکاری بے مثل، صنعت و دستکاری کے معاملہ میں ان کی استعداد اعلی، ہر قریہ میں ایسے مدارس جن میں نوشت وخواند اور حساب کی تعلیم ہو۔ ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا جذبہ اور سب سے زیادہ یہ کہ صنف نازک پر پورا اعتماد اس کی عزت وعصمت وعفت کا پورا پورا لحاظ، یہ ایسے اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہم غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستانیوں کو یورپی اقوام سے کسی طرح کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا، اگر ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تہذیب وتمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا''۔ (۷)

برطانوی اقدامات:

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو تعلیمی پالیسی بنائی تھی وہ چند واضح نکات پر مشتمل تھی۔

1- کمپنی کی حکومت کا واضح مقصد انگریزی زبان اور مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا تا کہ یہاں کے لوگ مغربی تہذیب اور مغربی مذہب کو قبول کرلیں۔

2- دوسرے درجے میں انگریزی زبان جاننے والے ایسے منشیوں اور کلرکوں کی فوج تیار کرنی تھی جو حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا کام دے سکے۔

3- جب تک ایسے کلرکوں کی ایک معقول تعداد تیار نہیں ہو جاتی، اس وقت تک مسلمانوں کے نظام تعلیم کو بدرجہ مجبوری گوارا کرنا، تا کہ کاروبار حکومت میں خلل نہ ہو۔

4- اسلامی تعلیمات کو بہر حال ختم کرنا، فارسی زبان کی بالا دستی اور ہمہ گیریت کو ختم کرنا اور فارسی

کی جگہ انگریزی کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنانا (۸)۔

اس بات کی تصدیق لارڈ میکالے کی یادداشت Macaulay's Minutes, 1835 سے ہوجاتی ہے۔ اُس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

''ہمارے لئے ناممکن ہے کہ ہم تمام ہندوستانیوں کو تعلیم دیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ فی الحال ہم پوری کوشش اس بات پر صرف کردیں کہ ہم میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوجائے جو ہمارے اور ہماری کروروں رعایا کے درمیان ترجمان کا کام کرے۔ ایک ایسا طبقہ جو رنگ وخون کے لحاظ سے ہندوستانی ہو لیکن پسند لائے اخلاق اور طرز فکر میں انگریز ہو''۔ (۹)

ولیم ہنٹر اپنی حکومت کی تعلیمی پالیسی اس طرح بیان کرتا ہے:

'' ہم اپنے دورِ حکومت کے پچھلے ۷۵ سالوں میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقہ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے۔ گو اس دوران میں ہم نے اپنا طریقہ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کردیا تھا جونہی ایک نئی نسل اس نئے طریقے کے ماتحت پیدا ہوگئی ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیرباد کہہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری ملازمت کا دروازہ بند ہوگیا۔ اگر مسلمان ذرا بھی عقلمند ہوتے تو وہ اس تبدیلی کو بھانپ لیتے اور اپنی قسمت پر قناعت کرتے مگر پرانی فاتح قوم اپنے شاندار ماضی کی روایات کو جلد فراموش نہیں کرسکتی (۱۰)۔

برطانوی پالیسی کے اثرات:

انگریزوں نے بڑے غور فکر کے بعد دینی تعلیم کے خلاف ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ پھر اس پر رازداری اور مستقل مزاجی سے برسوں عمل ہوتا رہا، اس کے بعد ملک میں ایسے حالات پیدا کردیئے گئے جن کی وجہ سے مدارس بند ہوتے چلے گئے، ان کے قدردانوں میں بتدریج کمی ہوتی چلی گئی ان ذرائع و وسائل پر حکومت قابض ہوگئی، یہ سب کچھ مخفی طریقہ پر ہوتا رہا نتیجہ انگریزوں کے حسب پسند نکلا اور مدارس ویران ہوگئے۔

تین نکاتی ایجنڈا:

1- دینی مدارس اور علماء سے مسلمانوں کو بدگمان کرنا

2- دینی مدارس کے فارغ التحصیل افراد پر سرکاری ملازمت کے دروازے بند کرنا۔

3- دینی مدارس کے وسائل مالیہ پر حکومت کا غاصبانہ قبضہ کرنا۔

دینی مدارس اور علماء کے خلاف مہم:

جیسا کہ شروع میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اس ملک میں انگریزوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مذہب، اور اسکی اقدار مسلمان معاشرہ میں غالب عنصر ہے۔ علمائے کرام معاشرہ میں اہم طاقت ہیں، عوام کی قیادت اور سربراہی علماء کے ہاتھوں میں ہے جب تک مسلمان معاشرہ میں علماء کی گرفت کو کمزور نہیں کیا جاتا اس وقت تک مسلمانوں کو کسی دوسری راہ پر چلانا دشوار ہوگا۔

اس لئے انگریزوں نے ایک خفیہ مہم کے ذریعے اس طبقے کو بدنام کیا صحیح اور غلط قسم کے الزامات لگائے گئے، یہ پروپیگنڈا اس زور وشور سے کیا گیا کہ سارے ملک نے اور خود مسلمانوں کے ایک بڑے حصّے نے یقین کر لیا کہ واقعی یہ علماء برے، تنگ نظر، متعصب، جامد، ترقی کے دشمن اور سائنس کے خلاف ہیں، انگریزی زبان کے خلاف انھوں نے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ ان کا وجود ہی قوم کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے علماء کی جانب سے صفائی کا کبھی موقعہ فراہم نہیں کیا گیا اور اگر انھوں نے حقیقت حال کبھی پیش بھی کی تو اسکی شنوائی نہیں ہوسکی (۱۱)۔

اس نفسیاتی مہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولوی اور ملاّ کا لفظ تنگ دلی اور خرابیوں کے ہم معنی بن گیا یہی وجہ ہے کہ آج کوئی مسلمان خواہ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتا ہو یا دینی مدارس کا فارغ التحصیل ہو، اپنے آپ کو ملاّ کہلانے کا روادار نہیں۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں پر اقتصادی دباؤ:

حکومت نے اپنی پالیسی کے مطابق سب سے بڑا ظلم یہ ڈھایا کہ پڑھے لکھے مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے، اور رزق کے ذرائع مسدود کر کے ان کو نان شبینہ کا محتاج بنا کر چھوڑ دیا، اور بعض مقامات پر مسلمانوں سے داڑھی ٹیکس بھی وصول کیا جاتا تھا (۱۲)۔ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء کے قوانین بازیافت کی وجہ سے بڑے مسلمان جاگیرداروں کی جاگیروں کی بحق سرکار ضبطی جس کی زد میں آ کر لاکھوں علماء اور فضلاء ومشائخ خانوادے محتاج بن کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیئے گئے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۸۴۴ء/۱۲۶۰ھ کو لارڈ ہارڈنگ نے ایک نیا قانون نافذ کیا کہ آئندہ سے ملازمت صرف انگریزی خواندہ افراد ہی کو ملا کرے گی جس کے بعد سے عربی وفارسی کے فاضل افراد ملازمت کے لئے نااہل قرار پائے (۱۳)۔

ولیم ہنٹر اس ظلم وزیادتی کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

'' آہستہ آہستہ مسلمانوں سے ہر قسم کی ملازمت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی چھینی جا رہی ہے اور دوسری قوموں کو دی جا رہی ہے لیکن وقت ایسا آ گیا ہے کہ وہ اپنے گزٹ میں اس بات کا خاص طور پر اعلان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکری نہیں دی جائے گی۔ ابھی ابھی سندر بن کے دفتر میں چند اسامیاں خالی ہوئی تھیں اس افسر نے سرکاری گزٹ میں اشتہار دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ ملازمتیں سوائے ھندوؤں کے اور کسی کو نہیں ملیں گی الغرض مسلمان یہاں تک اب قعر مذّلت میں گر چکے ہیں کہ وہ اگر سرکاری ملازمتوں کے قابل ہوں تب بھی انکو سرکاری اعلانات کے ذریعے ملازمت سے باز رکھا جاتا ہے۔ اعلی حکام تو ان کی ہستی کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں''۔ (۱۴)

ولیم ہنٹر نے دوسری جگہ لکھا ہے:

'' کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپراسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے کے سوا کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں... جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی۔ وہ دل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی ہی میں برتر نہ تھے بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے لیکن اس کے باجود مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بند ہے غیر سرکاری ذرائع زندگی میں بھی انہیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں'' (۱۵)۔

مسلمان اس وقت کس قدر تباہ حال اور قابلِ رحم حالت میں تھے اس کا اندازہ اس تحریری درخواست سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے انگریز حکومت سے صرف روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے اڑیسہ کے کمشنر کے سامنے پیش کی تھی۔ اس درخواست کا ایک ایک جملہ مسلمانوں کی ذلت و رسوائی اور غیرت ملی کے فنا ہونے کا ماتم کرتا ہے اور طریقہ التجاء بڑا ہی افسوسناک ہے اور ہمیشہ انسان کو متاثر کرتا رہے گا۔ ذیل میں اس طویل درخواست کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس کو ہنٹر نے نقل کیا:-

'' اگر سچ پوچھئے تو اڑیسہ کے مسلمانوں کو روز بروز تباہ کیا جا رہا ہے ان کے سر بلند ہونے کی کوئی اُمید نہیں۔ مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بالکل نادار ہیں اور ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔ اب ہماری حالت ماہی بے آب کی طرح ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم جناب عالی کے حضور پیش کرنے کی جرات کر رہے ہیں... اپنی سابقہ سرکاری ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کے لیے تیار ہیں ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کے لیے مستعد ہیں۔ ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصوں میں مارے مارے پھرنے کے لیے آمادہ ہیں بشرطیکہ ہمیں یقین دلایا

جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں دس۱۰ شلنگ (ساڑھے سات روپے) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز کیا جائے گا''(۱۶)۔

اس کے بعد ہنٹر انگریزی تعلیمی پالیسی کے اثرات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''لیکن سردست مسلمانوں کی شکایت بالکل بجا ہے کہ حکومت جو روپیہ تعلیم کے لیے سرکاری آبادی سے بغیر کسی امتیاز کے حاصل کرتی ہے وہ صرف ایسے طریقے پر خرچ کیا جاتا ہے جس کا فائدہ ہندوؤں کو پہنچتا ہے، بدقسمتی سے ہمارے خلاف یہی ایک الزام نہیں جو سب سے زیادہ سنگین ہو۔ہم نے صرف ایک ایسا طریقہ تعلیم ہی رائج نہیں کیا جو مسلمانوں کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے بلکہ ہم نے ان کے طریقہ تعلیم کو اس سرمایہ سے بھی محروم کر دیا جس پر اسکی بقاء کا دارومدار تھا ''(۱۷)۔

ہنٹر نے مزید لکھا ہے :

''لیکن ان بے انصافیوں کی فہرست ابھی مکمل نہیں ہوئی جن کا مسلمان اپنے حاکموں کو ملزم ٹھہراتے ہیں ۔وہ ہمیں صرف اس بات کا ملزم قرار نہیں دیتے کہ ہم نے کامیاب زندگی کی تمام راہیں ان پر مسدود کر دی ہیں بلکہ یہ بھی کہ ہم نے ان کی عاقبت کو بھی خطرہ میں ڈال دیا ہے۔دنیا کے ہر اچھے مذہب نے روحانی فرائض کی انجام دہی کے خاص دن مقرر کر رکھے ہیں۔

ہم اس غم وغصہ کا اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں جو انگریزوں کو اسوقت ہوگا جب کوئی غیر ملکی فاتح خود بخود اپنی مرضی سے اس بات کا اعلان کردے کہ آئندہ اتوار کو چھٹی نہیں ہوا کرے گی۔ ہندو اور مسلمان یکساں طور پر اپنے مذہبی تہواروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے متعلق نازک جذبات رکھتے ہیں...پچھلے سال کلکتہ ہائی کورٹ کے مسلمان وکلاء نے اس بارے میں دو عرضداشتیں بھیجی تھیں ۔انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ عیسائیوں کو سال میں باسٹھ۶۲ چھٹیاں دی جاتی ہیں اور ھندوؤں کو باون۵۲ ،تو مسلمانوں کو بارہ ۱۲ کیوں ملتی ہیں؟... چنانچہ اب گورنمنٹ دفاتر میں کسی اسلامی تہوار پر چھٹی کی اجازت نہیں' (۱۸)۔

ایک اور جگہ ہنٹر لکھتا ہے:

''تعلیم یافتہ مسلمان جن کو پرانے طریقہ تعلیم پر ناز ہے حکومت کے ان عہدوں پر اور ملازمتوں میں کوئی جگہ نہیں پاتے جن پر اس سے بیشتر ان کی اجارہ داری قائم تھی ۔وہ حیران ہیں کہ یہ سب کچھ اور دیگر ذرائع زندگی قابل نفرت ہندوؤں کے ہاتھ میں چلے گئے یا چلے جارہے ہیں جن مسلمانوں کی تعلیم ذرا بہتر ہوتی وہ بھی نالاں ہیں گو ان کا یہ احساس مذہبی ایذا رسانی کی حد تک نہیں پہنچا۔اگرچہ ان مذہبی خیالات کے مطابق لاپروائی کی حد

تک ضرور پہنچ جاتا ہے'' (۱۹)۔

ان تدابیر کا مجموعی نتیجہ بقول ہنٹر یہ نکلا:

''حقیقت میں سارا صوبہ مسلمان امراء سے جو کبھی طاقتور اور برسرِ اقتدار تھے بھرا پڑا ہے۔ وہ گذشتہ عظمت کی نشانیاں ہیں.....ہر ضلع میں کسی نہ کسی شہزادہ کی اولاد بے بام محلّات اور پر از خار تالابوں کے درمیان نہایت تکبر اور ترش روی سے خون جگر پیتی نظر آتی ہے...وہ غلیظ برآمدوں اور ساتھ کے ٹپکتے ہوئے مکانوں میں اداس زندگی بسر کر رہے ہیں اور دن بہ دن قرض کے تباہ کن گڑھوں میں گرتے چلے جاتے ہیں'' (۲۰)۔

آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہوئے ہنٹر لکھتا ہے:

''گزشتہ پچھتر سال سے بنگال کے گھرانے یا تو صفحۂ ہستی سے بالکل نابود ہو گئے یا ان لوگوں کے مقابلے میں حقیر یا پست ہیں جن کو ہماری حکومت نے سر بلند کیا ہے لیکن پھر بھی ان کی سرکشی، گستاخی اور کاہلی میں فرق نہیں آیا اور ایسا کیوں نہ ہو آخر وہ نوابوں اور فاتحین کی اولاد ہیں'' (۲۱)۔

ان معاندانہ پالیسیوں کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۶۹ء تک ایک بھی شریف اور آسودہ حال مسلمان باقی نہ رہا جو کسی سرکاری عہدہ پر موجود ہو علماء، فضلاء نوابین اور امراء کی اولادیں لکڑہارے اور سقّے (Hewers to wood and Drawers of water) بن جانے پر مجبور ہو گئیں (۲۲) اور اگر کہیں مسلمانوں کو نوکری ملی بھی تو بقول ہنٹر یہ ملازمتیں تھیں ''سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی، چپراسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے کے سوا کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں'' (۲۳)۔

عبداللہ یوسف علی ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''بنگال میں دولتمند طبقہ ہندو تاجروں، ساہوکاروں اور بنیوں کا تھا، مسلم شرفاء اور اہل کاروں، نیز ہندو زمینداروں کی حالت تباہ ہو گئی عوام نے اپنے قدیم لیڈروں اور حقیقی رہنماؤں کا ساتھ چھوڑ دیا.....وارن ہیسٹنگز کا جمعدار تو کلکتہ میں اراضی کا مالک تھا اور شاہانِ مغلیہ کی اولاد یا تو فاقے کرتی تھی یا لوگوں کی خیرات پر زندگی بسر کر رہی تھی (۲۴)۔

مدارس کے ذرائع آمدنی کو مسدود کرنا:

دینی مدارس کے لیے مالی وسائل مسلمان بادشاہوں وغیرہ کے عطا کردہ اوقاف اور جاگیروں سے حاصل ہوتے تھے، لاکھوں مدارس ان اوقاف سے چلتے تھے۔ جب مرہٹوں اور سکھوں کو غلبہ حاصل ہوا تو ان میں سے کسی

نے ان جائیدادوں سے تعرض نہ کیا انگریزوں کی دوررس نگاہوں نے محسوس کرلیا کہ ان مدارس کا خاتمہ ممکن نہیں جب تک ان اوقاف اور جاگیروں کو قبضہ میں نہ لیا جائے چنانچہ انگریزوں نے تمام اوقاف کو بتدریج ضبط کرلیا (۲۵)۔

ان مختلف کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ صوبوں کا قائم شدہ دینی نظام تعلیم تباہ کردیا گیا، مدارس بند کردیئے گئے علماء وفضلاء افلاس کا شکار ہوکر دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوگئے نصف صدی کے عرصہ میں ایک شائستہ مہذب تعلیم یافتہ اور فارغ البال قوم کو جاہل، ناخواندہ مفلس اور قلاش بنادیا گیا۔

چنانچہ ہنٹر لکھتا ہے:

''حکومت کی مالگزاری میں ساٹھ لاکھ پونڈ کا مستقل اضافہ ہوتا چلا گیا اس رقم کا بڑا حصّہ ان زمینوں سے حاصل ہوتا ہے جو مسلمانوں یا اسلامی اوقاف کے پاس معافی کی حیثیت سے ہیں۔ اس سے جو ابتری، نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہوئے وہ ہمیشہ کے لیے دیہاتی دستاویزات میں ثبت ہوچکے ہیں سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہوگئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار انہی معافیوں پر تھا بالکل تہ وبالا ہوگیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی اس مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد بیک جنبشِ قلم مٹ گئے'' (۲۶)

ایف ڈبلیو تھامس پرانے نظامِ تعلیم کی تباہی پر افسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''نئی متشدادنہ پالیسی کی بنا پر گزشتہ پچاس سال میں ہندوستان کا پرانا نظامِ تعلیم ختم ہوگیا اور بحیثیت مجموعی ناخواندگی میں اضافہ ہوا ہے ''۔

اس کے بعد ۱۸۲۰ء اور ۱۸۸۲ء کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اگر پرانا نظامِ تعلیم باقی رہتا تو آج چودہ لاکھ طلبہ اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کررہے ہوتے، حالانکہ زیرِ تعلیم طلبہ کی تعداد کُل تین لاکھ پچاس ہزار ہے...زیادہ مدّت نہیں گذری کہ پرانے نظام کو تباہ کرنے کا کام منظّم طور پر شروع ہوا اور ڈائریکٹر تعلیمات کو بار بار خوشی کے ایسے لمحات میسر آتے تھے جو ایک سال میں اور ایک تحصیل میں چھ چھ سو اور سات سات سو دینی مدارس کے بند ہونے کی اطلاع سے عبارت ہوتے تھے'' (۲۷)

انگریزی تعلیم کے اجراء کا مقصد:

لارڈ میکالے نے جب ۷، مارچ ۱۸۳۵/۷ ذی قعد ۱۲۵۰ھ کو تعلیمی کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے انگریزی زبان میں تعلیم دی جانے کی حمایت کی تھی تو اس نے اپنی رپورٹ میں اپنی رائے کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی:۔

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور ایسی

جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو(۲۸)۔

آنریبل ایم انفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن نے ۱۸۲۳ء/۱۲۳۸ھ کو جو ایک متفقہ یاداشت گورنمنٹ کو پیش کی تھی اس سے بھی انگریزی تعلیم کے اجراء کے مقاصد عیاں ہوتے ہیں۔ اس یاداشت کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''انصاف یہ ہے کہ ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی عملی ترقی کی ہمت افزائی کے لیے تمام ذرائع کو ہٹایا ہے بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی کم ہو جانے کا اندیشہ ہے اس الزام کو دور کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہیئے'' (۲۹)۔

عیسائیت کا پرچار:

انگریزی تعلیم کے اجراء کا دوسرا واضح مقصد عیسائیت کا پرچار تھا جیسا کہ آنریبل مسٹر انفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن خود اس کا علانیہ اعتراف کرتے ہیں:

''میں اعلانیہ نہیں تو درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارے میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں۔ اگرچہ تعلیم سے انکی آراء میں ایسی تبدیلی نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایماندار اور محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے(۳۰)۔

اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں نے قابل اعتراض طریقوں سے اسکولوں میں عیسائی مذہب کی تعلیم جاری کی چارلس گرانٹ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''اس میں کلام نہیں کہ سب سے اعلیٰ تعلیم جو ہندوستانی ہماری زبان میں پا سکتے تھے وہ ہمارے مذہب کی تعلیم تھی... ہندوستانیوں کی اخلاقی حالت حد درجہ خراب ہے اور اس لیے ان کی سوسائٹی نہایت ذلیل ہے ان خرابیوں کی اصلاح قانون کے نفاذ سے ہرگز نہیں ہو سکتی خواہ وہ قوانین کیسے ہی عمدہ کیوں نہ ہوں دراصل تمام خرابیوں کی جڑ ان کے مذہبی مراسم ہیں جن کی روح ان قوانین میں موجود ہے اور ان جھوٹے، ناپاک، قابل مضحکہ مذہبی اصولوں میں مضمر ہے ان تمام برائیوں کا واحد علاج یہ ہے کہ ہمارے علم کی روشنی ان لوگوں میں پہنچائی جائے جو تاریکی میں ہیں۔ بالخصوص ہمارے ربانی مذہب کے خالص اور پاک اصول انہیں بتائے جائیں''(۳۱)۔

مندرجہ بالا اصول کو پیش نظر رکھ کر حکومت کی طرف سے انگریزی تعلیم کے لیے عیسائی مبلغین کی مالی اور مادی امداد کی گئی تا کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم دیں جیسا کہ سرسید احمد خان ''اسبابِ بغاوت ھند'' میں ان طریقوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کے ذریعے مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا۔ سرسید احمد خان کی اس تحریر کی انگریزوں کی جانب سے آج تک کوئی تردید نہیں کی گئی۔ ذیل میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

''مداخلت مذہبی کچھ شبہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل اور قابل اور اعلیٰ اور ادنیٰ یقین جانتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو اور کیا مسلمان عیسائی مذہب اور اپنے ملک کی رسم و رواج ان پر لاڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے (۳۲)۔

'' ہر شخص دل سے جانتا تھا کہ ہماری گورنمنٹ کے احکام بہت آہستہ ظہور میں آتے ہیں اور جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتے ہیں اور خفیہ تدبیریں کر کے جس طرح عربی اور سنسکرت کو فنا کر دیا اسی طرح ملک کو مفلس اور محتاج اور جاہل بنا کر اپنے دین و مذھب کی کتابیں اور مسائل اور وعظ کو پھیلا کر نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کریں گے'' (۳۳)۔

''۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی کیے گئے وہ تمام اضلاع ممالک مغربی شمالی میں ارادہ گورنمنٹ کے ایک نمونہ گنے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح پر مفلس اور محتاج کر کے اپنے مذہب میں لے آئیں گے''(۳۴)۔

جو اس ملک میں نوکر ہیں وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں۔ اکثر حکام معتمد اور افسران فوج اپنے تابعین کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو''(۳۵)۔

''مشنری اسکول بہت جاری ہوئے اور ان میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں بعض اضلاع میں بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام معتمدان اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو اس میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے امتحان مذہبی کتابوں میں سے لیا جاتا تھا اور طالبعلموں سے جو لڑکے کم عمر ہوتے تھے پوچھا جاتا تھا کہ تمھارا خدا کون، تمھارا نجات دینے والا کون، اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے اس پر ان کو انعام ملتا تھا۔(۳۶)۔

آگے چل کر سر سیّد احمد خان مزید لکھتے ہیں:

’’ لڑکیوں کی تعلیم کا بہت چرچا ہندوستان میں تھا اور سب یقیناً جانتے تھے کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں اسکولوں میں آئیں اور تعلیم پائیں اور بے پردہ ہو جائیں کہ یہ بات حد سے زیادہ ہندوستانیوں کو ناگوار تھی بعض اضلاع میں اس کا نمونہ قائم ہو گیا تھا ‘‘(۳۷)۔

’’اسی زمانہ میں بعض اضلاع میں تجویز ہوئی کہ قیدی جیل خانوں میں ایک شخص کے ہاتھ کا پکا ہوا کھائیں جس سے ہندوؤں کا مذہب بالکل جاتا رہتا تھا، مسلمانوں کے مذہب میں اگرچہ کچھ نقصان نہیں آتا تھا مگر اس کا رنج سب کے دل پر تھا کہ سرکار ہر ایک کا مذہب لینے پر آمادہ اور ہر طرح پر اس کی تدبیر میں ہے‘‘(۳۸)۔

اس کے بعد برطانوی حکومت نے علی الاعلان عیسائیت کے فروغ اور دیگر مذاہب خصوصاً اسلام کو نیست و نابود کرنے کی کوشش شروع کر دی اور عوام کو بحکم سرکار عیسائیت قبول کرنے کو کہا جانے لگا۔ چنانچہ سر سیّد احمد خان انگریزوں کی اس پالیسی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

’’ یہ سب خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ہو رہی تھیں کہ دفعتاً ۱۸۵۵ء میں’’ پادری اے ایڈ منڈ‘‘ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس خطوط بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گی تار برق سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی مذہب بھی ایک چاہئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔

میں سچ کہتا ہوں کہ ان خطوط کی آمد کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آ گیا اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اول ان کو کرشٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو...جن کے پاس چٹھیاں آئیں تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ہمارے پاس تو نہیں آئی لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آ جائے گی کیا تم سرکار کے نوکر نہیں ہو‘‘(۳۹)۔

لادینیت کا فروغ:

تعلیم کے متعلق مذکورہ بالا دو پالیسیاں وہ تھیں جن پر یکے بعد دیگرے عمل ہوتا رہا اور اس کے بعد تیسری پالیسی بروئے کار لائی گئی جس کا سلسلہ اگرچہ ابتداء ہی سے چل رہا تھا مگر ۱۸۷۰ء/۱۸۷۱ء تک انگریزوں کی پالیسی یہی تھی کہ مسلمانوں کو پیچھے رکھا جائے لہذا جس قدر مسلمانوں میں تعلیم کم رہی اس پالیسی کا اثر بھی مسلمانوں پر کم پڑا۔

چنانچہ ۱۸۷۱ء/۱۲۸۸ھ میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کے بارے میں اپنی پالیسی بدل کر مختلف صوبے جات کے پاس احکام بھیجے جس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی قدیم زبانوں اور نیز دیسی زبانوں کی تعلیم جاری کی جائے اور مسلمان استاد مقرر کئے جائیں، اردو اور انگریزی کے جدید اسکولوں کو مالی امداد دی جائے مسلمانوں کی دیسی زبانوں کی طرف زیادہ توجہ دی جائے، یونیورسٹیوں میں عربی، فارسی تعلیم کا اضافہ کیا جائے (۴۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ انگریزوں نے بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو تعلیم اور سرکاری ملازمتوں سے نکال کر انکی ذہنیت کو نہیں بدل سکتا اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی پوری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالتے تھے۔ چنانچہ ''ہنری ہیرنگٹن طامس'' نے اپنے رسالے ''ہندوستان میں گذشتہ بغاوت اور ہماری آئندہ پالیسی'' میں لکھا تھا:

'' میں نے پہلے ہی بیان کیا کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بانی اور اصل محرک ھندو نہ تھے اور اب یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ یہ غدر مسلمانوں کی سازشوں کا نتیجہ تھا۔ ہندو اگر اپنی مرضی اور ذرائع تک محدود ہوں تو کسی ایسی سازش میں شرکت نہ کر سکتے تھے اور نہ کرنا چاہتے تھے...وہ (مسلمان) خلیفہ اوّل کے وقت سے موجودہ زمانہ تک یکسانیت کے ساتھ مغرور و ظالم رہے ہیں۔ ہمیشہ ان کا مقصد یہی رہا ہے کہ جس ذریعے سے بھی ہو اسلامی حکومت ہو ۔اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات نشو و نما ہو۔ مسلمان ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے اس لئے احکام قرانی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں'' (۴۱)۔

اس طرح کے شواہد سے با آسانی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے اپنی سابقہ تعلیمی پالیسی پر نظر ثانی کر کے ایک ایسی تعلیمی پالیسی اپنائی جس سے مندرجہ ذیل مقاصد کا حصول مطلوب تھا:

1- ہندوستان میں برطانوی حکومت کے دوام و استحکام کے لئے وفادار فوج تیار کرنا۔

2- جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو اسلام اور اسلامی اقدار سے اعلان برات نہ کرے تو کم از کم اظہار نفرت تو کرے۔

3- قرآنی احکام کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں کہ وہ تاج برطانوی سے ایفا کریں، لہذا انکو اسلامی احکامات ہی سے ناواقف رکھا جائے۔

4- جو مسلمان انگریزوں کے مرتب کردہ نصاب تعلیم سے استفادہ نہ کریں انکو تنگ نظر، جاہل، مذہبی، مجنون اور پاگل وغیرہ کے القاب سے نوازا جائے۔

5- اس نصاب تعلیم سے استفادہ کرنے کے بعد نہ صرف برطانوی حکومت کے ایماندار و جانثار غلام بن

جائیں بلکہ ان میں مذہبی منافرت پیدا ہو اور ہندو مسلم تنازعات شروع ہوں اور ”تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو“ کا فارمولہ کامیابی سے ہمکنار ہو۔

یہ تھی انگریزوں کی مسلمانوں کے خلاف معاندانہ اقدامات کی ایک مختصر سی جھلک جس نے مسلمانوں کو مدافعانہ ردِ عمل پر مجبور کر دیا۔

مصادر و مراجع

(۱) استعمار: استعمار کا مطلب ہے نو آبادی قائم کرنا، کسی علاقہ، مقام یا ملک پر قبضہ کر کے وہاں کی آبادی کو جسمانی یا ذہنی طور پر غلام بنالینا وہاں اپنا مذہب و کلچر نافذ کرنے کی کوشش کرنا (دیکھئے: مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، ص:۹۱، فیروز سنز، لاہور، سن ندارد)۔

مسلم ہندوستان میں استعماری عہد آغاز: 20 مئی-1498ء کو اس وقت ہوا جب واسکوڈی گاما کی زیر سرکردگی، یورپی اقوام اور پرتگیزی اقوام پر مشتمل ایک جماعت وارد ہوئی اور آہستہ آہستہ ہندوستان پر قبضے کی منصوبہ کرتے رہے۔ جنہوں نے دوستی اور دشمنی کے طویل المیعاد منصوبے باندھ کر ہندوستان کو فتح کیا اور بالآخر برعظیم ہندوستان پر حکمران ہو گئے۔

ان یورپی اقوام نے سب سے پہلے بنگال، بہار، اڑیسہ میں قدم جمائے، سراج الدولہ ان علاقوں کا ناظم تھا اُس سے جھگڑا پیدا کیا پھر صلح کی اور بعد میں میر جعفر سے ساز باز کر کے راستہ ہموار کیا، اور 1757ء میں سراج الدولہ کو قتل کرا کے اُس کی لاش کو ہاتھی پر رکھ کر مختلف علاقوں میں پھرایا گیا۔ پھر 1799ء میں ٹیپو سلطان کو شہید کر کے ہندوستان سے مسلمانوں کی عظمت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بالآخر 1857ء میں سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور انگریز بلاشرکت غیر برعظیم ہندوستان کے فرمانروا ہو گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: شورش کاشمیری، تحریک ختم نبوت، ص:12، مطبوعات چٹان، اردو بازار لاہور، 2003ء)

انگریزوں نے چونکہ مسلمانوں سے حکومت بزور قوت چھینی تھی اس لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو اپنا حریف اور مدّ مقابل سمجھتے تھے اور مستقبل کے اعتبار سے مسلمانوں کو اپنے لئے بڑا خطرہ تصور کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ انگریزوں کی معاندانہ کاروائیوں کا سب سے بڑا ہدف مسلمان اور ان کا نظامِ تعلیم تھا۔

(۲) منگلوری، سید طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد المکتبی، لاہور، سن ندارد، ص: ۱۵۶۔

(۳) ایضاً، ص ۱۶۲۔

(۴) سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، ۱۶:۵، مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۹۹۲ء۔

(۵) ایضاً۔

(۶) ایضاً، ۱۷۔

(۷) ایضاً۔

(۸) سید محمد سلیم، ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت: ص، ۲۰۵، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور ۱۹۹۳ء۔

(۹) شبیر احمد، تعلیم کی کہانی، ص370، کراچی 1974ء

(۱۰) ڈبلیوڈبلیوہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان☆ص:۱۵۱، مکی دارالکتب اردو بازار لاہور، ۱۹۹۷ء۔

☆ یہ کتاب ڈبلیوڈبلیوہنٹر-ایل، ایل ڈی، آئی سی ایس بنگال نے لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین نے کیا یہ کتاب متعدد بار'' ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کے نام سے، مکی دارالکتب اردو بازار لاہور، شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی افادیت کے بارے میں ڈاکٹر محمد صادق لکھتے ہیں:

'' حکومت چھن جانے کے بعد ہماری قومی زندگی کو تباہ برباد کرنے کے لیے کیا طریقے استعمال کیے گئے اور ہم نے اس کے مقابلے میں کیا کچھ کیا۔ اس کے متعلق چند سالوں کی مختصر مگر جامع تاریخ آپ کو اس کتاب کے اوراق میں نظر آئے گی۔ یہ اس انگریز کے فکر کا مطالعہ کا نتیجہ تھی جس نے اس جدوجہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جسے خود بھی حکومت میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور جس کی رسائی ارباب حل وعقد تک بے روک ٹوک ممکن تھی لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا کہ واقعات کو ایک ہی نقطہ نظر سے لکھے بایں ہمہ اس کا قلم واقعات کا انکار نہ کر سکا'' ہمارے ہندوستانی مسلمان☆ص:7۔

(۱۱) سید محمد سلیم، ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت :ص، ۲۰۵۔

(۱۲) ایضاً، ۲۰۸۔

(۱۳) ایضاً، ۲۰۹۔

(۱۴) ڈبلیوڈبلیوہنٹر ، ہمارے ہندوستانی مسلمان ،ص: ۱۴۸ ۔

(۱۵) ایضاً، صفحات: ۱۴۵-۱۴۶۔

(۱۶) ایضاً، ص: ۱۴۹ ۔

(۱۷) ایضاً، ص: ۱۵۵ ۔

(۱۸) ایضاً، ص: ۱۶۰ ۔

(۱۹) ایضاً، ص: ۱۲۹ ۔

(۲۰) ایضاً، ص: ۱۳۲ ۔

(۲۱) ایضاً، ص: ۱۴۰ ۔

(۲۲) سید محمد سلیم، ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت :ص، ۲۱۱ ۔

(۲۳) ڈبلیوڈبلیوہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان ،ص: ۱۴۴ ۔

(۲۴) عبداللہ علی یوسف، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص: ۲۱۸، دوست ایسوی ایٹس اردو بازار لاہور، ۱۹۹۶ء ۔

(۲۵) ڈبلیوڈبلیوہنٹر ، ہمارے ہندوستانی مسلمان ،ص: ۱۱۷، ۱۵۷۔

(۲۶) ڈبلیوہنٹر ہمارے ہندوستان مسلمان ص: ۱۵۷۔

(۲۷) سید محمد سلیم، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت ،صفحات :۱۲۳ -۱۲۴ ۔

(۲۸) منگلوری، سید طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص:۱۷۱۔

(۲۹) ایضًا ،صفحات: ۱۶۷ -۱۶۸۔

(۳۰) سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، ۵:۱۹ ۔

(۳۱) سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، ۵:۲۰ ۔

(۳۲) سر سید احمد خان، اسبابِ بغاوتِ ہند ،ص:۱۱۹، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ۱۹۸۶ء۔

(۳۳) ایضاً ،ص:۱۲۰۔

(۳۴) ایضاً ،ص:۱۲۱۔

(۳۵) ایضاً ،ص:۱۲۲۔

(۳۶) ایضاً ،ص:۱۲۴۔

(۳۷) ایضاً ،ص:۱۲۶۔

(۳۸) ایضاً ،ص:۱۲۹۔

(۳۹) ایضاً ،صفحات: ۱۲۹-۱۳۰ ۔

(۴۰) سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، ۵:۳۴ ۔

(۴۱) ایضًا، ۵:۳۵۔